بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن ایک طویل جبری التوا کے بعد از سرِ نو جاری ہو رہا ہے۔ اس التوا کی ساری ذمہ داری حکومتِ مغربی پنجاب کے محکمہ پولیس برانچ کے کارکنوں پر عائد ہوتی ہے جن کی فرض شناسی اور باضابطگی کا معیار اس حد تک گر چکا ہے کہ ترجمان القرآن کے ڈیکلریشن پر پرنٹر پبلشر کا نام بدلنے کی درخواست کو ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں دو چار دن اور دو چار ہفتے نہیں، پورے پانچ ماہ گھمایا جاتا رہا ہے اور اسے بظاہر دانستہ جا بجا انبار کاغذات میں دفن رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ درخواست منازل ہفت خواں طے کر کے جب لوٹی تو ایک ہزار روپیہ نقد ضمانت کا مطالبہ ساتھ لے کے آئی۔ اب یہ رقم داخل خزانہ کرنے کے بعد ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ خدا کے دین کی خدمت کے اس سلسلے کو از سرِ نو جاری کر سکیں جو ۱۹۳۲ء سے ہزارہا افراد کی صحیح ذہنی و اخلاقی تربیت کے لئے قائم چلا آ رہا تھا۔

یہ پہلا موقع ہے کہ ترجمان القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی کی ادارت ہی سے نہیں، بلکہ ان کی مشورت و رہنمائی سے بھی پوری طرح محروم ہو کر نکل رہا ہے۔ یہ خلا ترجمان القرآن کے دفتر و ادارے کے لئے بھی، اور اس کے پانچ ہزار خریداروں اور بیس پچیس ہزار قارئین کو بھی بہ شدت محسوس ہوگا۔ پھر معاملہ ترجمان القرآن ہی کا نہیں، بلکہ تحریکِ اسلامی کی سرگرمیوں کے ہر پہلو میں مولینا کی نظر بندی کی وجہ سے ایک مستقل کمی ہے جو بہر حال ایک آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ملک کے اسلام پسند عناصر کے لئے یہ آزمائش تا بکے مقدر ہے!

مولینا اور ان کے رفقا کی ناجائز نظر بندی کے خلاف اسلامی اخلاق کی پابندی کے ساتھ جماعت اسلامی ہی نہیں، ملک کی دوسری بہت سی جماعتیں گوشے گوشے سے صدائے احتجاج بلند کر رہی ہیں۔ لیکن جہاں معاملہ قانون و عدالت سے ہوا ہی نہیں بلکہ پبلک سیفٹی ایکٹ کی اندھیر گردی سے ہو ——— جو بنایا ہی اسی لئے

گیا تھا کہ جہاں اقتدار قانونی کارروائی کرنے کا راستہ نہ پا سکے، وہاں وہ اس ایکٹ کے ذریعے جرم ثابت کیے بغیر اپنے حریفوں پر غیر قانونی جبر کر سکے ۔۔۔۔۔۔ وہاں حکومت اتنی عالی ظرف اور جمہوریت نواز ہو گی کہاں کہ وہ رائے عام کی ایک سنجیدہ صدائے احتجاج کو سن کر اپنے غلط اقدام پر شرمسار ہو اور اپنی ظالمانہ روش کی تلافی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہاں چنگیزیت اتنی عریاں ہے کہ اس کے خلاف صبر سے بہتر کوئی طریق احتجاج نہیں ہے۔ اور ہمارا ایمان یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ!

اپنی جگہ یہ حقیقت بہت واضح ہے کہ نظر بندانِ راہِ حق کی نظر بندی خود ایک خاموش مگر انتہائی مؤثر صدائے احتجاج بن چکی ہے۔ ایک طرف یہ نظر بندی پاکستان کے عام اسلام پسند عناصر کو نظامِ اسلامی کے نصب العین پر متحد کر رہی ہے۔ دوسری طرف اس نظر بندی کے ذریعے "قرار دادِ مقاصد" کے مصنفین کی نیتوں اور عزائم کا پول خوب اچھی طرح کھل رہا ہے۔ پھر یہ نظر بندی سیفٹی ایکٹ کے اندھے راج کی ناپاک فطرت کو نمایاں کر رہی ہے جو تعزیریں عاید کرتا ہے مگر کوئی فردِ جرم نہیں لگاتا اور تشدد کرتا ہے لیکن کھلی عدالت میں اپنے مظلومین کا سامنا نہیں کر سکتا۔

بہر حال یہ نظر بندی پاکستان کے حکمرانوں کے لیے بھی اور اسیرانِ راہِ حق کے لیے بھی اور اسلامی نظام کے آرزومندوں کے لیے بھی ایک امتحان ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ کون کیا ہے اور خدا اور اس کے دین سے کس کا معاملہ کیا ہے؟

اسلام نے دنیا پر ایک یہی احسان نہیں کیا کہ زندگی کی تعمیر و تنظیم کے لیے بہترین اصول فراہم کر دیے اور سیاست و تمدن اور معیشت و معاشرت کا بہترین نظام مہیا کر دیا، بلکہ اس سے کچھ زیادہ وزنی احسان اس کا یہ تھا کہ اس نے اپنے غلبہ کے ہر دور میں انسانیت کو صالح اور پاکیزہ قیادت بہم پہنچائی ہے۔ اس نے سفرِ حیات کے لیے اقوامِ عالم کو بار بار مضبوط اور تیز رفتار گاڑی ہی بنا کر نہیں دی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس نے فرض شناس اور خدمت پیشہ اور ایثار کیش اور محنتی اور چابکدست اور دیانتدار ڈرائیور بھی تربیت کر کے دیے ہیں۔ وہ دنیا کی امامت و پیشوائی کے لیے ہمیشہ قوموں کے اس قیمتی جوہر اور کھن کو کھینچ کر اوپر لاتا رہا ہے جس کی فطرت سچائے تو وہی صالح

تھی اور جو اپنی صلاحیتوں کو صالحیت کے سانچے میں ڈھالنے والی تربیت کا پورا پورا اثر قبول کرنے والا تھا۔ صالح نظام اور صالح قیادت لازم وملزوم کا تعلق رکھتی ہیں اور اسلام جب کبھی نمودار ہوا ہے، دونوں نعمتوں کو بیک وقت ساتھ لے کے نمودار ہوا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دعوت تو براہیمی ہو اور اس کی علمبرداری نمرود اور آل نمرود کریں، یا تحریک تو کلیمی ہو لیکن اس کے فروغ کے لئے قدرت نے فرعون، قارون اور ہامان کو منتخب کیا ہو، یا نظام تو قرآن کا ہو اور اسے چلانے کی ذمہ داری ابوجہل اور ابولہب کے کندھوں پر ڈالی گئی ہو۔ توحید کا علم کبھی مشرکین سے نہیں اٹھوایا گیا، اخلاق کا سبق دینے پر لوباشوں کو کبھی مامور نہیں کیا گیا، عصمتوں کی نگہبانی کا فریضہ کبھی بے آبرو لوگوں کے سپرد نہیں کیا گیا، اقامتِ صلوٰۃ کی ذمہ داری کبھی شراب خانے کے ساقی و پیرِ مغاں پر نہیں ڈالی گئی اور ایتائے زکوٰۃ کا ضامن کبھی سود خوروں کو نہیں قرار دیا گیا۔ اسلام کی دعوت اپنے مزاج کے مطابق داعی بھی خود تیار کرتی ہے۔ اسلام کی تحریک اپنی فطرت کے لحاظ سے مخصوص قسم کے سپاہی خود بناتی ہے اور اسلام کا نظام اپنے قیام ونفاذ کے لئے ایک صالح قیادت بھی اپنے اہتمام سے خود مہیا کرتا ہے۔ انسانی فلاح کے لئے ایک اچھے نظام کے ساتھ ایک اچھی قیادت کی ضرورت بالکل بنیادی ہے۔

کچھ زیادہ دیر نہیں گذری ——— تاریخ کے عین اسی دور کا واقعہ ہے جس کو آج ہم طے کر رہے ہیں ——— کہ عرب میں ایک شخص اس حال میں اٹھا کہ پوری دنیا نہ صرف یہ کہ نہایت غلط اصولوں کے تحت زندگی بسر کر رہی تھی بلکہ وقت کی تاریخ کی باگ ڈور انتہا درجہ کے ظالم اور فاسق وفاجر لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اخلاق اور شرافت کو مشرق ومغرب کے ہر معاشرے میں ایوانِ اقتدار سے دھکے دے کر باہر نکالا جا چکا تھا اور خباثت و شیطنت امامت کی ساری مسندوں پر قابض تھی۔ اس شخص نے اس صورتِ حالات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس نے پہلے اپنے خاندان، پھر اپنے شہر اور علاقہ، پھر پورے عرب اور اس کے بعد روم وایران کے سامنے ایک نیا اصول، نیا نصب العین اور نیا نظام پیش کیا۔ لیکن اس کی دعوت محض ایک شاعرانہ اور فلسفیانہ فکری احتجاج پر مشتمل نہ تھی، بلکہ اس نے اپنے اصولوں کے مطابق اپنی شخصیت کو پورے کمال کے ساتھ تعمیر کر کے دکھایا، پھر اپنی شخصیت کے سانچے میں اپنے رفقا کی زندگیوں کو ڈھالا اور اپنے اصولوں کے مطابق ایک جماعت

قائم کرکے ایک فیصلہ کن انقلابی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس انقلابی جدوجہد کے دوران میں اُس نے ایک نئی صالح قیادت کو پروان چڑھایا، جو اصول سے بند و جہد کرتی ہوئی جب پورا ارتقا کر چکی تو سب سے پہلے اُس نے مدینہ کی چھوٹی سی ریاست کو فسق و فجور کی امامت سے نجات دلائی اور پھر وہ جماعت عالمگیر فضاؤں میں انسانیت کی نجات دہندہ بن کے نکلی، یہاں تک کہ بین الاقوامی حیثیت سے معصیت کا اقتدار ایک ایک مورچے پر شکست دکھائی دینے لگا۔ جہاں کہیں یہ صالح امامت فاتح بن کر اقتدار پر آئی وہاں دوست دشمن ہر ایک نے محسوس کیا کہ زندگی کے سارے مسائل کی چولیں ٹھیک اپنی جگہ پر بیٹھ گئی ہیں اور توازن اور عدل زندگی کے ہر گوشے میں عملاً کارفرما ہو گیا ہے۔ لیکن آگے چل کر جونہی اس قیادت میں اختلال آیا، "ظہر الفساد فی البر والبحر" کی حالت از سرِ نو عود کرنے لگی۔

چند صدیاں پہلے کی یہ تاریخ — جسے ہم بجا طور پر کل کی تاریخ کہہ سکتے ہیں — اس حقیقت کی ناقابلِ تردید گواہی دیتی ہے کہ انسانی مشکلات کا حل صرف ایک پاکیزہ فلسفے اور ایک متوازن نظریے ہی کا متقاضی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک صالح قیادت کے ناخنِ تدبیر کا بھی بہر حال منت کش ہے۔

آج کرۂ ارضی کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ابنائے آدم کی زندگی کا روز بروز بڑھتا ہوا فساد جہاں اس وجہ سے ہے کہ وہ اصول اور نظام غلط ہے جس کے زیر سایہ ہم جی رہے ہیں وہاں وہ لازماً اس وجہ سے بھی ہے کہ سیاست و تمدن اور معیشت و معاشرت کی باگ ڈور نہایت گھٹیا کیریکٹر کے انسانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ تہذیب حاضر نے یہی ظلم ہم پر نہیں توڑا ہے کہ خدا کی ہدایت، خدا کے قانون اور خدا کے دین کو نظام زندگی سے بے تعلق کر دیا ہے اور انسانوں کے لئے بلا قیدی مطلق العنان حاکمیت اور شریعت سازی کے حقوق تسلیم کر لئے ہیں، بلکہ اُس نے مزید کرم یہ کیا ہے کہ زمین کی امامت و قیادت نااہل ترین لوگوں کو تفویض کر دی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایک نظام باطل کے ساتھ ایک صالح قیادت کا کوئی جوڑ میل سرے سے ہے ہی نہیں۔

یہ ایک عجیب ظالمانہ صورتِ حالات ہے کہ وہ لوگ جن کو ڈاکوؤں کی صف میں جگہ ملنی چاہیئے، وہ خزانوں کے نگہبان بنائے گئے ہیں، جن لوگوں کی پوری زندگیاں جرائم کا مجموعہ ہیں ان کو عدالتوں کی کرسیوں پر جگہ دی گئی ہے،

جو اس قابل ہیں کہ قومیں اُن کو غدار شمار کریں، انہیں کو تختِ حکمرانی پر بٹھایا گیا ہے، وہ جو اپنے اقتدار کے لئے طبقات اور قوموں کو لڑا لڑا کر انسانی خون سے بار بار زمین کو رنگین کرنے کے مجرم ہیں، اُن کو نقیبِ امن قرار دیا گیا ہے، وہ جن کا اخلاقی دیوالیہ پن اپنی آخری انتہا کو پہنچ چکا ہے، انہیں قوموں نے اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلمِ اخلاق اور ائمہ تہذیب بنا رکھا ہے۔ اس سے زیادہ دردناک منظر کیا ہوگا کہ سائنس نے اپنی تمام ایجادات، جماعتوں نے اپنی ساری منظم طاقتیں، انسانوں نے اپنے دل و دماغ کی قیمتی صلاحیتیں، اور سرمایہ و محنت نے اپنی ساری تخلیقی قابلیتیں زمین کے چپے چپے پر شیاطینِ انس کی تحویل میں دے رکھی ہیں۔

اس حال میں امن کی خواہش کرنا، آزادی کے خواب دیکھنا، عدل اور انصاف کا تصور کرنا ایک ذہنی تفریح اور ایک لغو قسم کی خود فریبی کے سوا اور کیا حیثیت رکھتا ہے!

زمین کی دوزخ کو انسانوں کے جینے کے قابل بنانے کے لئے سرسری اور اوپری قسم کی تبدیلیاں اور انقلاب بے کار ہیں۔ اگرچہ اقوامِ عالم اسی قسم کی تبدیلیوں میں بار بار اپنے سرمایۂ قوت کو جھونک رہی ہیں۔ ہماری گذشتہ دو صدیاں تمام تر انقلابوں، تصادموں اور جنگوں میں بیتی ہیں اور ہر انقلاب کی بساط پر آدمی نے اپنے آپ کو اسی توقع پر داؤں پر لگایا ہے کہ شاید اس معرکہ تعمیر کے بعد زندگی صحیح ڈھب پر آسکے گی، لیکن افسوس کہ اس جواری نے اپنے یہ سارے داؤں بری طرح ہار دیئے ہیں، اور اب یہ اندھا دھند مزید داؤں لگائے چلا جا رہا ہے۔

وہ تبدیلی جو پورے عالمِ انسانی کو موجودہ ہمہ گیر اضطراب سے نجات دلا سکتی ہے، وہ صرف ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جو نظامِ زندگی کی اصولی بنیادوں کو بدل سکے اور اس کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کو شیاطینِ انس کی ناپاک قیادت سے کلیتہً آزاد کرانے کے لئے ایک صالح قیادت کو سامنے لا سکے۔

جماعتِ اسلامی تحریک ایسی ہی ایک ہمہ گیر اور اصولی تبدیلی کا پروگرام لے کے میدان میں آئی ہے۔ وہ ایک طرف اُس فکر کو شکست دینا چاہتی ہے جس فکر کے محور پر دورِ حاضر کا نظام اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ چل رہا ہے اور وہ نظامِ حیات کی تعمیرِ نو کے لئے اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ اصول سامنے لا رہی ہے۔ دوسری طرف وہ اپنی اسلامی فکر کے مزاج کے مطابق ایک نئی قیادت کو نشو و نما دے کر شیاطینِ انس سے تہذیب کی زمام کار سلب کر کے انسانیت کو

جاہلیت کے اقتدار سے پوری طرح نجات دلانے کا پروگرام لے کے چلی ہے۔ جماعت اسلامی کی انقلابی تحریک کے منصوبہ کا جتنا یہ جزء اہم ہے کہ انسانی حاکمیت وقانون سازی کی معصیت عظمیٰ سے بندگانِ خدا کو نجات دلا کر سیاست و تمدن کی ساری عمارت خدا کی بندگی واطاعت اور خدا کی ہدایت کی پابندی کے اصل الاصول پر استوار کی جائے، اتنا ہی اس کا یہ جزء بھی اہم ہے کہ اقتدار کی باگیں خدا ناشناس اور اخلاق باختہ افراد اور جماعتوں اور قوموں سے چھین کر ایسے خداترس اور بلند سیرت انسانوں کے سپرد کی جائیں، جو پوری زمین کا نمک ہوں۔

چنانچہ اگست ۱۹۴۱ء سے برعظیم ہند میں جماعت اسلامی سیاست وتمدن کی اصلاح کے لئے اپنی دوگونہ تدابیر کو لے کر ابتدائی کام کرتی چلی آ رہی ہے۔ وہ ایک طرف سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو مروجہ تہذیب کے اصول وفکر سے غیر مطمئن، بلکہ باغی بنا کر ان میں اسلامی اصول وفکر کے لئے گہرا ایمانی جذبہ پیدا کرنے میں مصروف ہے اور دوسری طرف اس اصول وفکر کے سانچے میں ڈھلنے والے صالحین کو ایک مرکز پر سمیٹ کر وہ منظم طاقت فراہم کر رہی ہے جو اسلام کے نظام صالح کے قیام کی صورت میں ایک قیادتِ صالح کی ضرورت کو پورا کر سکے۔ برعظیم ہند کی تقسیم سے پہلے بھی جماعت کا مدعا یہی تھا اور آج تقسیم کے بعد انڈیا اور پاکستان کے دونوں خطوں کی دو جماعتوں کے سامنے بھی پروگرام یہی ہے

انڈیا اور پاکستان کے لئے انگریز خدا ناشناس اخلاق باختہ نے جو تہذیب اور جو سیاست اپنے ورثے میں چھوڑی ہے اس کا ناپاک ترین پہلو یہی ہے کہ ہمارے اندر قیادت کا ایک نہایت ہی غلط معیار عملاً پوری طرح رائج ہو چکا ہے بلکہ ہم لوگ اس مہلک معیار کے اتنے عادی بھی ہو چکے ہیں کہ اسے بدلنے کی ضرورت کا احساس بہت ہی تھوڑے ذہنوں میں کارفرما ہے۔

مغرب کے عطا کردہ معیار قیادت کی رُو سے یہ اصول ہمارے ہاں پوری قبولیت حاصل کر چکا ہے کہ لیڈری اور دوسرے مناصب اعلیٰ کے امیدواروں میں زیادہ سے زیادہ دیکھنے کی چیز "مہارت کار" ہے لیکن ان کے سیرت واخلاق کا تجزیہ کرنے اور دیانت کے لحاظ سے اُن کو پرکھنے کی سرے سے ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا مہلک اصول مروّجہ معیارِ قیادت نے ہمارے شہریوں کو یہ بھی سکھایا ہے کہ اربابِ قیادت کی پرائیویٹ زندگیوں پر تم کو نگاہ ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے، تمہارا تعلق ان کی صرف پبلک لائف سے ہے!

یہ دونوں باتیں نہایت غلط اور اجتماعی مفاد کے لئے نہایت درجہ مضر ہیں۔ سوچئے تو سہی کہ آپ گھر کا سودا سلف لانے کے لئے کوئی خادم یا دکان پر حساب کتاب رکھنے کے لئے کوئی منشی یا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی اتالیق بھی رکھتے ہیں تو صرف کام کی اہلیت و قابلیت ہی کو نہیں دیکھتے، بلکہ لازماً سیرت و اخلاق کے لحاظ سے بھی اطمینان حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں لیکن یہ کیا عجیب بے اصولی ہے کہ جن لوگوں کو ہزاروں لاکھوں انسانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن بنایا جا رہا ہو جن کو ملک و قوم کی بے پناہ قوتوں پر پورا پورا قابو دیا جا رہا ہو اور جنہیں ایک قوم کی زندگی کے جہاز کو پار لگانے یا سمندر کی لہروں میں غرق کر دینے کے پورے اختیارات کے ساتھ ناخدائی سونپی جا رہی ہو، ان میں صرف فنی مہارت "قابلیت" کو دیکھا جائے، لیکن ان کے کیریکٹر کا پورا پورا جائزہ نہ لیا جائے — درآنحالیکہ ان کے کیریکٹر کی ہر کمزوری قومی مفاد کی تباہی کا ایک قطعی پیغام اپنے ساتھ رکھتی ہے!

اب دوسرے اصول کی لغویت پر غور کیجیے کہ ایک آدمی کو صرف جلوت کے اسٹیج پر دیکھنے کا حق دیا جاتا ہے، جہاں وہ نمائش کاری کے پورے فن سے کام لے کر دلکش ترین بہروپ بھر کے آتا ہے لیکن پبلک لائف کے اسٹیج سے ہٹ کر وہ خلوت کے پردوں میں کس طرز کی زندگی گذارتا ہے، اس سوال کو چھیڑنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ حق صرف اس بات کے دیکھنے کا دیا جاتا ہے کہ ایک شخص "لیڈری" کس خوبی سے کرتا ہے، لیکن اس بات پر توجہ کرنے کا حق نہیں دیا جاتا کہ وہ شخص کیسا باپ ہے، کیسا شوہر ہے، کیسا پڑوسی ہے، کیسا دوست ہے، کیسا شہری ہے، اس کی شخصی دلچسپیاں کیا کچھ ہیں، اس کی گھریلو زندگی کس حد تک پاکیزہ ہے، وہ معاملے اور لین دین میں کیسا ہے، راست بازی اور ایفاء عہد کے لحاظ سے اس کا مقام کیا ہے، شرم و حیا اور عصمت و آبرو کے پہلو سے اس کا درجہ کتنا بلند، کتنا پست ہے — حالانکہ ان سارے امور کا جائزہ لئے بغیر اس بات کا کبھی صحیح فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کون کیسا لیڈر ہے!

انسان اگر پبلک اور پرائیویٹ زندگیوں کے دو فرضی دائروں میں اپنے دل، اپنے دماغ، اپنے خیالات، اپنی خواہشات، اپنے اصولوں، اپنے نظریات، اپنے معمولات، غرضیکہ اپنی شخصیت کے تمام اجزا کو لباس کی طرح بدل سکتا ہو اور دونوں دائروں کے درمیان کوئی آہنی حد بندی قائم کر سکتا ہو، تب تو بات دوسری تھی لیکن اگر انسان اپنی شخصیت کی سعادت و نحوست کو ہر جگہ اپنے ساتھ لئے لئے پھرتا ہے اور وہ اپنے کردار و سیرت کے محاسن و معائب کا پورا پشتارہ ہمہ وقت پیٹھ پر لادے ہوتا ہے تو پھر پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف کی تقسیم کا خیال تک کرنا بدترین حماقت ہے۔

ہماری بدقسمتی کہ کانگریس اور مسلم لیگ اور دوسری تمام ضمنی جماعتوں اور تحریکوں نے مغربی معیارِ قیادت کے ان دونوں بے ہودہ اصولوں کو قبول کر کے ان کے مطابق اپنے عوام کی مسلسل کئی سال تک سخت غلط ذہنی تربیت کر ڈالی ہے :

جہاں یہ غلط معیارِ قیادت ایوانِ اقتدار پر بہ حیثیت پاسبان کے کھڑا ہو، وہاں بغیر کسی جھجک کے پست سے پست اخلاق کو ساتھ لے کر ایک شخص داخلے کا اجازت نامہ حاصل کر سکتا ہے اور موقع ہو تو بڑی سے بڑی مسندِ جاہ پر قابض ہو سکتا ہے۔ جہاں یہ پوچھ ہوتی ہی نہیں کہ تم "آدمی" کیسے ہو، بلکہ پوچھ صرف اس بات کی ہو کہ تمہاری زبان کس رفتار سے حرکت کر سکتی ہے، تم نعرہ کتنے زور سے لگا سکتے ہو، تم عوام کی نفسیات اور جذبات پر چھا جانے کی کتنی صلاحیت رکھتے ہو؟ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ تم جیل میں کتنا وقت گذار کے آئے ہو اور قومی ضروریات کے لئے تم نے کتنا مال یا وقت کبھی دیا تھا؟ ــــ تو ظاہر ہے کہ اندر آنے والے لوگ لیڈری کے ماہر ضرور ہوں گے، لیکن انسانیت کے ماہر کبھی نہیں ہوں گے!

چنانچہ انڈیا اور پاکستان کے لاکھوں عوام کی زندگیوں سے سیاست کا جوا کھیلنے والے جو کھلاڑی دونوں مملکتوں کے ایوانہائے اقتدار کی مسندوں پر قابض ہیں، اُن کو اور جس لحاظ سے بھی جانچا گیا ہو، اُن کا "اخلاقی معائنہ" بہرحال کبھی نہیں کیا گیا۔

پریس چھاپنے سے انکاری ہے :

لیکن یہ ایک تاریخی عجوبہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی زندگی کی امامت انہیں لوگوں کے قبضے میں رہی جو اپنے اخلاقی افلاس اور اپنے ضمیر کے دیوالیہ پن کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ ہندو مسلم عوام کی یہ غلط فہمی بھی تھی کہ شاید اُن کے "بڑوں" کی پستیٔ اخلاق، ان کی بے ضمیری، اور ان کی خدا ناترسی صرف اس جنگ کو جیتنے والے آلات و اسلحہ ہیں جو ان کی حریف قوم کے خلاف لڑی جا رہی ہے، ان آلات و اسلحہ سے خود ان کو کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے، بلکہ دو قومی جنگ کے ختم ہوتے ہی ان کے اکابر ہتھیار کھول دیں گے ـــــ اور اپنی قوم کے لئے ہمہ تن امانت کیش، ایثار پیشہ، فرض شناس، عدل پسند، راست باز بن جائیں گے۔ مسلمانوں کی دشمنی کے اندھے

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

تشریح و تجزیہ آپ کا مخصوص فن ہے جس کے اثرات پوری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ میں لوئیس فشر کے طرزِ تحریر کا بھی خفیف سا تاثر پایا جاتا ہے۔ (ن۔ ص)

بقیہ اشارات

جذبے ہیں ہندو عوام اور ہندو قوم کی عداوت ہیں مسلمان عوام اپنے لیڈروں کے بارے میں بالکل اسی طرز پر سوچتے رہتے ہیں۔ مسلمان اپنے لیڈروں کی اخلاقی فرومائیگی کی داد ہی دا ہیں داد دیتے رہے ہیں کہ حریف قوم کے خلاف ایسی ہی اخلاقی فرمائیگی کو استعمال کرنا چاہیئے، اور دوسری طرف ہندو قوم اپنے لیڈروں کی سیرت کی پستی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے کہ ہاں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ایسی ہی پستیٔ کردار کام دے سکتی ہے۔ دونوں میں سے کسی کو بروقت یہ احساس نہ ہوسکا کہ آج اُن کے لیڈر جس اخلاق کو اُن کی حریف طاقت کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، کل وہ ان کی شخصیتوں سے الگ نہ ہوسکے گا اور یہی اخلاق ہوگا جسے وہ خود اپنی قوم سے معاملہ کرتے ہوئے اُسی بے باکی سے کام میں لائیں گے جس بے باکی سے آج غیروں کے خلاف اس کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

لیکن تقسیم کے بعد بہت ہی جلد وہ وقت آگیا جب کہ انڈیا اور پاکستان دونوں طرف کے عوام کی آنکھیں کھلنے لگیں اور انہیں معلوم ہونے لگا کہ ہم نے لیڈروں کے انتخاب میں بڑی سخت غلطیاں کی ہیں۔

تقسیم کے بعد جب دورِ غلامی کے بے اختیار "لیڈروں نے یکایک اپنے آپ کو پورا پورا حکمران" محسوس کیا۔ یعنی اوپر سے انگریز کی لاٹھی کو غائب پایا اور اپنے سے نیچے کی خلقِ خدا کو چند ناگہانی مصائب کی لپیٹ میں تڑپتے دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ ابھی رائے عامہ گرفت کرنے کے قابل نہیں تو انہوں نے سطحی اور نمائشی اخلاق کے سارے بند بھی توڑ ڈالے۔ ان "اشرافِ زمانہ" نے اپنے اپنے ملک کے تارکین وطن کے اموال متروکہ کی لُوٹ میں کُھلے بندوں حصہ لیا، پھر انہوں نے خانہ بدر ہو کے آنے والے قومی اور مذہبی بھائیوں کی جیبوں سے ایک ایک قدم پر رشوتیں نچوڑیں، پھر انہوں نے اپنے لئے، اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے مکانوں دکانوں اور کارخانوں کو ناجائز طور پر الاٹ کرنے اور کرانے میں

ہر طرح کی ذلیل کارروائیاں کیں۔ صد حیف کہ خیانت کے حمام میں بڑی بے تکلفی سے سب کے سب ننگے ہو گئے تقسیم کے بعد کا ایک طوفانی سال اربابِ قیادت کا تعارف خوب اچھی طرح کر کے رخصت ہوا۔ اب عوام سوچنے لگے کہ کیا ایسے ہیں ہمارے لیڈر؟ ــ انہی کے لئے ہم نے کئی سال زندہ باد کے نعرے لگائے ہیں، انہیں کے لئے ہزار مرتبہ جلوس نکالے اور سپاسنامے پڑھے ہیں۔ انہیں کو اپنی کمائیوں میں سے چندے جمع کر کے دیئے ہیں اور انہی کو اقتدار دلوانے کے لئے اپنے ووٹ نذر کئے ہیں؟ ـ کیا یہ اس قابل تھے؟ ــ اب دونوں مملکتوں میں اکابر کے خلاف نفرت اور بددلی کے جذبات آہستہ آہستہ کروٹیں لینے لگے ۔ کہیں کہیں زبانوں سے ان جذبات کا اظہار ہونے لگا اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض مقبول ترین شخصیتوں کا نام سنتے ہی معمولی گنوار تک انتہائی بیزاری کا کھلے کھلے الفاظ میں اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

پاکستان کی تعمیر کیلئے

جدوجہد کا نیا مرحلہ

اسلامی اصولوں پر ــــ

★ نئے انتخابات ★

اسلامی نظام چلانے کیلئے ــــ

★ نئی صالح قیادت ★

اسلامی دستور بنانے کیلئے ــــ

★ نئی دستور ساز اسمبلی ★

اسلامی ماحول کی تعمیر کیلئے ــــ

★ نیا نظمِ حکومت ★

اور یہ سب کچھ صرف

اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے